حقیقتِ زندگی

از قلم: ڈاکٹر اسرار احمد

میری یہ تحریر اٹھارہ انیس سال پرانی ہے۔ اس لیے کہ یہ اوائل ۶۶ء میں اس زمانے میں لکھی گئی تھی جب میں دوبارہ لاہور منتقل ہوا ہی تھا اور میری زندگی کے اس دَور کا آغاز ہونے والا تھا جس کے اہم نشاناتِ راہ ہیں پیشۂ طب سے علٰحدگی، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی تاسیس اور تنظیم اسلامی کا قیام! ـــــ اُس زمانے میں محی الدین سلفی مرحوم و مغفور ہفت روزہ "الاعتصام" کے ادارۂ تحریر سے وابستہ تھے۔ انہوں نے اشاعت کے لیے کسی مضمون کی فرمائش کی ـــــ میں کبھی اپنے زمانۂ طالبعلمی میں تو اسلامی جمعیتِ طلبہ کے ہفت روزہ پرچے "عزم" میں لکھتا رہا تھا اور ۵۶ء میں تحریکِ اسلامی سے شدید ذہنی اور قلبی وابستگی کے باعث سخت اعصابی دباؤ کے تحت "تحریکِ جماعتِ اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ" نامی طویل تحریر بھی میرے قلم سے نکل چکی تھی لیکن اس کے بعد سے مسلسل دس سال اس طرح گذر گئے تھے کہ کسی کو ذاتی خط لکھنے کے لیے بھی شاید ہی قلم ہاتھ میں لیا ہو ـــــ لہٰذا میں معذرت کرتا رہا ـــــ لیکن جب ان کا اصرار بہت بڑھا تو ایک روز اچانک قلب و ذہن کی کسی خاص کیفیت میں یہ تحریر قلم سے صادر ہوگئی۔ "الاعتصام" جماعتِ اہلحدیث کا ترجمان تھا اور مجھے یقین تھا کہ یہ تحریر اس میں ہرگز نہیں چھپ سکے گی۔ لیکن محی الدین سلفی مرحوم نے اسے شائع کر دیا ـــــ مجھے حیرت ہوئی کہ اس پر انہیں متعدد خطوط تعریف و تحسین پر مشتمل موصول ہوئے۔ جن میں سے بعض انہوں نے مجھے بھی دکھائے، ان میں سے ایک خط ملک حسن علی جامعی شرقپوری نے تحریر فرمایا تھا جس میں انہوں نے اس تحریر کی بہت دل کھول کر تعریف کی تھی اور اسے حکمتِ قرآن اور فلسفۂ اقبال کا نچوڑ قرار دیا تھا ـــــ اس اثناء میں

میرے ذہن میں "حقیقتِ انسان" کے عنوان سے اس کی دوسری قسط کا ہیولیٰ بھی تیار ہو گیا تھا ـــــــ بلکہ اس کا ابتدائیہ قلمبند بھی ہو گیا تھا ـــــــ لیکن اُدھر اگست ۶۶ء میں جب "میثاق" کا پہلا پرچہ میری ادارت میں شائع ہوا اور میں نے اسے بھی اُس میں شامل کر دیا تو مولانا امین احسن اصلاحی نے اسے ناپسند فرمایا کہ یہ "ابوالکلامی انداز ہے ـــــــ اس کا زمانہ گزر چکا!" "میثاق" چوں کہ اس وقت ان ہی کے "زیرِ سرپرستی" شائع ہو رہا تھا لہٰذا میں نے اُن کے جذبات کا احترام کیا ـــــــ اور اس طرح اُس دوسری قسط کی تکمیل و تسوید کی نوبت نہ آ سکی۔ (بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس کے بعد اس طرز کی بس ایک ہی تحریر میرے قلم سے اور نکلی جو "راہِ نجات" نامی کتابچے میں شامل ہے تاہم اس کے بعض نکات گاہے بگاہے میرے ذہن میں کلبلاتے رہے۔

گذشتہ دنوں اچانک اس 'کلبلاہٹ' نے زور کیا تو اس کا ایک حصّہ ذہن سے بذریعۂ قلم قرطاس پر منتقل ہو گیا' اگرچہ اس کی تکمیل ابھی نہیں ہوئی' ـــــــ تاہم اس شمارے میں اٹھارہ انیس سال پرانی قسطِ اوّل کو دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے' شاید کہ اسطرح اگلے شمارے کے لیے "حقیقتِ انسان" کی تسوید مکمل ہو جائے'

خاکسار اسرار احمد عفی عنہٗ

زندگی محض "عناصر میں ظہورِ ترتیب" ہی کا نام ہے یا اِس "پردۂ زنگاری" میں کوئی حقیقتِ کبریٰ "معشوق" بنی چھپی بیٹھی ہے؟ اِسی طرح موت زندگی کے خاتمے کا نام ہے یا یہ بجائے خود زندگی ہی کا ایک "وقفہ" ہے! ؎ "یعنی آگے بڑھیں گے دم لے کر!"

ہم اپنی زندگی کو "امروز۔و۔فردا" کے پیمانوں سے ناپیں اور حسرت سے پکار اُٹھیں کہ

؎ "عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں"

یا اسے ؎ "جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں" مانیں اور اپنی ابدیت کے سرور انگیز تصوّر سے شادکام ہوں؟

اِس مسئلے کے حل کا سارا دارومدار اس پر ہے کہ آیا ہم محض "عالمِ محسوسات" تک محدود رہنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور صرف 'حواسِ خمسہ' کی محدود دریافتوں پر اکتفا کرتے ہیں یا عقل و وجدان کی قوتوں کو بھی کام میں لاتے ہیں اور "اپنے من میں ڈوب کر" "سُراغِ زندگی" کو پانے

کی سعی کرتے ہیں۔

'عالمِ محسوسات' اور 'حواسِ خمسہ' تک محدود رہیئے تو زندگی بس پیدائش سے موت تک کے وقفے کا نام ہے۔ قرآن مجید ان مومنین تجربہ و شہود کے تصوّرِ حیات کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے :۔

اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ٥ (الانعام)	ہمارے لیے زندگی نہیں مگر یہی حیاتی اور ہم کو پھر نہیں زندہ ہونا۔
اور مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِکُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ (جاثیہ)	کچھ نہیں بس یہی ہمارا جینا ہے دنیا کا۔ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم جو مرتے ہیں سو محض زمانہ سے۔

اور اُن کے ذہن کی پستی اور علم کی کوتاہی پر ان الفاظ میں تبصرہ فرماتا ہے :۔

یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (الرّوم)	یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں۔
اور ذٰلِکَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ (النجم)	بس یہیں تک پہنچ ہے اُن کی علم میں!

کیا واقعی زندگی بس اِسی مختصر سے وقفے کا نام ہے؟ ہمارے حواسِ خمسہ یقیناً ولادت کے ماقبل اور موت کے مابعد کے بارے میں بالکل لاچار و بے بس ہیں۔ لیکن کیا عقلِ انسانی اسے باور کرتی ہے؟ ذرا آنکھیں بند کرکے اِس وسیع و عریض کائنات کی عظمت و وسعت کا تصوّر کرو! پھر سوچو کہ اِس کائنات کا 'مرکزی وجود' انسان ہے۔ سلسلۂ تخلیق کا کمال! ارتقائے حیات کی آخری منزل!

تو کیا اس کی حقیقت بس یہی کچھ ہے کہ بچپن کے "لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ"[1] اور بڑھاپے کے "لِکَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئًا"[2] کے مابین ایک تھوڑے سے وقفے کے ہوش و شعور کا نام

1۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ...... الاٰیة (سورۂ حدید)
جان لو کہ دنیا کی زندگی لعب و لہو ہے .... الخ

2۔ وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰٓی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئًا (سورۂ حج)
اور تم میں سے کچھ لوٹائے جاتے ہیں نکمی عمر کو تاکہ نہ جانیں جاننے کے بعد کوئی چیز۔

حیاتِ انسانی ہے۔ ؎: "اک ذرا ہوش میں آنے کے خطاوار ہیں ہم!"

جو کوئی "حیاتِ انسانی" کے اِس تصوّر پر مطمئن ہو سکتا ہو[1]، وہ ہو۔ آخر سطحِ ارض پر انسان ہی تو نہیں بستے۔ لاتعداد حیوانات، چرند پرند بھی یہیں بس رہے ہیں، تو کون سے تعجب کی بات ہے کہ خود انسانوں میں ایک گروہِ کثیر انسان نما حیوانوں ہی کا ہو!

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا	وہ دل رکھتے ہیں لیکن غور نہیں کرتے،
وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا	آنکھیں رکھتے ہیں، پر دیکھتے نہیں،
وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا	کان رکھتے ہیں پر سنتے نہیں۔ وہ حیوانوں
أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (اعراف)	کی مانند ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے

اپنی حقیقت سے بے خبر اور اپنی عظمت سے غافل یہ انسان نما حیوان درحقیقت "اِک ذرا ہوش میں آنے کے" بھی بس مغالطے ہی میں مبتلا ہیں۔ وحیِ الٰہی تو انہیں زندہ ہی تسلیم نہیں کرتی۔

فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ	کیونکہ تم مُردوں کو نہیں سُنا سکتے اور
الصُّمَّ الدُّعَاءَ (سورۂ رُوم)	نہ ہی بہروں کو اپنی پکار سُنا سکتے ہو۔

جن کا حال یہ ہو کہ ؎: "رُوح سے تھا زندگی میں بھی تہی جن کا جسد" — وہ کب 'حیاتِ انسانی' کے لطیف حقائق کا ادراک کر سکتے ہیں! قفسِ حواس کے اِن زندانیوں کو کون باور کرا سکتا ہے کہ ؎

"ایسے کچھ تار بھی ہیں سازِ حقیقت میں نہاں — چھُو سکے گا نہ جنھیں زخمۂ مضرابِ حواس"

ہاں! جن کا ذہن اِس "چار دن" کی "عمرِ دراز" پر مطمئن نہ ہوتا ہو، جن کے جسدِ خاکی میں حیاتِ حقیقی کروٹیں لے رہی ہو اور جنھیں خود اپنے اندر ہی کی کوئی چیز اپنی عظمت کی جانب اشارے کرتی محسوس ہو، اُن کے "ضمیر" پر جب "نزولِ کتاب" ہوتا ہے تو حقیقتِ حیات کی "گرہ"[2] کھلتی ہے اور وحیِ الٰہی کی بدلی سے حقائق کی بارش ہوتی ہے تو اُن کی عقل و وجدان

---

[1] وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا (سورۂ یونس)
اور راضی ہو گئے حیاتِ دُنیوی سے اور اسی پر مطمئن ہو گئے۔

[2] تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب — گرہ کُشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشّاف (اقبال)

کی پیاسی زمین کو ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے اُسے بعینہٖ وہی چیز مل گئی جس کی اُسے پیاس تھی۔ اور تب وہ حیاتِ انسانی جو حواسِ خمسہ کی "بندگی" میں گھُٹ کر جوئے کم آب نظر آتی تھی ذہنِ انسانی کے اُن کے چنگل سے "آزاد" ہوتے ہی ایک "بحرِ بیکراں"[1] کی صورت اختیار کرلیتی ہے اور یہ حیاتِ 'دُنیوی' جو لاعلمی اور بے خبری میں "اصل حیات" قرار پا گئی تھی، سُکڑ اور سمٹ کر اصل کتابِ حیات کے محض ایک دیباچے اور مقدمے کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ صاعقۂ حق کوند کر اعلان کرتا ہے :-

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ	اصل زندگی تو آخرت کی
الْحَيَوَانُ ۝ (سورۂ عنکبوت)	زندگی ہے۔

اور انسانوں کے اس عظیم ہجوم پر نظر ڈالتے ہوئے جو حیاتِ دنیوی کے لہو و لعب ہی کو اصلِ حیات قرار دیئے بیٹھا ہے، حسرت کے ساتھ پکارتا ہے۔

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝	کاش کہ یہ جانتے !

کبھی ڈانٹا جاتا ہے :-

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ	کچھ نہیں بس تم دُنیا سے محبّت کرتے
وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ (سورۂ قیامہ)	ہو اور آخرت کو تج دیتے ہو۔

کبھی شکوہ کیا جاتا ہے :-

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	تم حیاتِ دنیوی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ
وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (سورۂ اعلیٰ)	آخرت بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی۔

اللہ ! اللہ ! کیا انقلاب ہے، کہاں یہ ذہن کی تنگی کہ زندگی بس یہی زندگی ہے اور کہاں یہ وسعتِ نظر کہ حیات ابدی اور سرمدی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ! کُجا یہ مایوس کُن تصوّر کہ موت سلسلۂ حیات کا اختتام ہے اور کُجا اِس حقیقت کا ادراک کہ موت تو اصل "شہرِ زندگی" کا 'شاہ درّہ' ہے۔

بد قسمتی سے اُخروی زندگی کے 'ماننے والوں' میں بھی کم بلکہ شاذ ہی اُس کے 'جاننے والے' ہیں۔ اُس کا 'ماننا' جس قدر آسان ہے 'جاننا' اُسی قدر دشوار ہے۔ 'ماننا' تو محض توارث

---

[1] بندگی میں گھُٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب   اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی

سے بھی مل جاتا ہے لیکن 'جاننے' کیلئے اپنے ظرفِ ذہنی کو وسیع و عمیق کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کا موقعہ آج کی مادّہ پرست دُنیا میں کسے نصیب ہے !

ماننے والوں کی ایک غالب اکثریت نے 'حیاتِ دُنیوی' کو اصل کتاب 'جان' کر 'حیاتِ اُخروی' کو بس اس کے تتمے اور ضمیمے کی حیثیت سے 'مانا' ہے۔ حالانکہ 'جاننا' یہ چاہیئے کہ اصل کتابِ حیات تو موت کے بعد کھلنے والی ہے۔ یہ حیاتِ دُنیوی تو بس اُس کا ایک دیباچہ ہے یا مقدّمہ! وہ حقیقت ہے اور یہ محض اُس کا ایک عکس۔ وہ ابدی ہے اور لامتناہی ہے اور یہ عارضی ہے اور مختتم، وہ حقیقی اور واقعی ہے اور یہ اُس کے مقابلے میں محض کھیل تماشا بلکہ "متاعِ غُرور" — آیاتِ بیّنات !

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ (سُورۂ رعد)	اور دنیا کی زندگی کچھ نہیں آخرت کے آگے مگر متاعِ حقیر۔
فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ (سُورۂ توبہ)	سو کچھ نہیں نفع اُٹھانا دُنیا کی زندگی کا آخرت کے مقابلے میں مگر تھوڑا۔
وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ (سُورۂ عنکبوت)	اور یہ دُنیا کا جینا تو بس جی بہلانا اور کھیلنا ہے۔
وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (سُورۂ حدید و آلِ عمران)	اور دُنیا کی زندگی تو یہی ہے مال دغا کا۔

اِسی حقیقت پر شاہد ہیں۔

لیکن 'حیاتِ دُنیوی' کی یہ ساری بے بضاعتی اور کم مائگی 'حیاتِ اُخروی' کے مقابلے ہی میں ہے۔ ورنہ بجائے خود یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ ذرا غور کرو جو کتابِ حکیم "موت" کو بھی ایک مثبت حقیقت قرار دے جو 'حیات' ہی کی طرح تخلیق کے مراحل سے گزری ہے[1]۔ وہ حیاتِ دنیوی کو کب بے حقیقت ٹھہرا سکتی ہے۔ یہ بے حقیقت صرف اُس وقت بنتی ہے جب اُس کا تقابل حیاتِ اُخروی سے کیا جائے اور متاعِ غرور اُس وقت قرار پاتی ہے جب نگاہیں اُس پر اِس طور سے

---

[1] خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (سُورۂ مُلک)
بنایا جینا اور مرنا تاکہ تم کو جانچے کون تم میں اچھا کرتا ہے کام۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

مرکوز ہوجائیں کہ دل و دماغ حیاتِ اُخروی سے محجوب ہوجائیں۔ یہی رمز ہے قرآنِ حکیم کے اِس تبصرے میں کہ : يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔۔ یہ مومنین حیاتِ دُنیوی خود حیاتِ دُنیوی کی حقیقت سے کب واقف ہیں۔ اِس کا بھی بس "ظاہر" ہی اُن کی نگاہوں کے سامنے ہے خود اس کی حقیقت آشکارا ہوجائے تو حیاتِ انسانی کے جملہ حقائق تک رسائی کی راہیں روشن ہوجائیں۔ قرآنِ حکیم نے "حیاتِ دُنیوی" کو "حیاتِ انسانی" کا ایک امتحانی وقفہ قرار دیا ہے:

خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ	بنایا جینا اور مرنا تاکہ تم کو جانچے کون تم
اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (سُورۃ الملک)	میں اچھا کرتا ہے کام۔

یہ امتحان گاہ ہے، نتائج آخرت میں برآمد ہوں گے۔ ؎

قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب — اِس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی
یہ گھڑی محشر کی ہے، تو عرصۂ محشر میں ہے — پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو آخرت کی کھیتی سے تعبیر فرمایا ہے "اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ" ۔ غرض یہ کہ آخرت سے ملا کر دیکھو تو حیاتِ دُنیوی بھی ایک ٹھوس حقیقت ہے، بصورتِ دیگر اس کا کوئی حقیقی وجود ہی نہیں رہ جاتا۔

آخرت سے قطعِ نظر، حیاتِ دُنیوی کی حقیقت اِس کے سوا اور کیا ہے کہ :۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا	جان رکھو کہ دُنیا کی زندگی یہی ہے کھیل
لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ	اور تماشا اور بناؤ اور بڑائیاں کرنی آپس
بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ	میں اور بہتات ڈھونڈنی مال کی اور اولاد
الْاَوْلَادِ (سُورۃ حدید)	کی۔!!

لیکن بچپن کے کھیل کود، نوجوانی کی آرائش و زیبائش اور بناؤ سنگھار، شباب کے فخر و مباہات اور کہولت کے تکاثرِ اموال و اولاد کے ان ہی ادوار سے گزرتے ہوئے "اِک ذرا ہوش میں آنے" سے حیاتِ دُنیوی ایک حقیقتِ کبریٰ اور نعمتِ غیر مترقبہ کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ اور اگر یہ ہوجائے تو بس یہی حاصلِ حیات ہے۔ اگرچہ یہ ایک دردناک حقیقت ہے کہ یہ "ہوش" کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے ۔۔ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ [1]

---

[1] "اور یہ بات ملتی ہے اُسی کو جس کی بڑی قسمت ہو" (سورہ حٰم سجدہ) (ترجمہ شیخ الہند)

ہوش میں آکر اگر حقیقت کی کوئی جھلک دیکھ پاؤ اور پھر اُسی کے رُخِ زیبا کے پرستار اور اُسی کی زُلفِ گرہ گیر کے اسیر ہو جاؤ تو بس یہی سرمایۂ حیات ہے، پھر جب تک یہاں رہوگے چین اور سکون سے رہوگے اور "اَحَقُّ بِالْاَمْن"[1] قرار پاؤگے، موت حجلۂ عروسی میں داخلے سے زیادہ خوش آئند نظر آئے گی اور اُس کا استقبال مسکراتے ہوئے کروگے ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم (اقبال) چوں مرگ آید تبسّم برلبِ اوست

اور وہاں اُٹھوگے تو اِس حال میں کہ :-

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ	اُن کی روشنی دوڑتی ہے اُن کے آگے
وَبِاَيْمَانِهِمْ (سورۂ تحریم)	اور اُن کے داہنے۔

اور پھر ابد الآباد تک امن اور سکون ہی میں نہیں رہوگے بلکہ تمہاری مشاہدۂ حق کی لحظہ بہ لحظہ بڑھتی ہوئی پیاس کو آسودگی عطا کی جائے گی۔ یہاں تک کہ تم "حقیقت الحقائق" اور "جانِ جاناں" کا مشاہدہ کروگے!

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى	کتنے منہ اُس دن تازہ ہیں اپنے رب کی
رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (سورۂ قیامہ)	طرف دیکھنے والے۔

اور اگر ہوش میں نہ آئے، زمینی خواہشات[2] ہی میں غلطاں و پیچاں رہے اور اندھے[3] منہ پر کر پستی ہی پر نگاہوں کو جمائے رکھا اور یہاں کی جھوٹی مسرتوں اور آسودگیوں ہی کی تلاش میں سرگرداں رہے تو یہ زندگی تمناؤں اور آرزوؤں کے "بَحْرٍ لُّجِّيٍّ" میں دیوانہ وار ہاتھ پاؤں مارتے ہی بیت جائے گی، جہاں "ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ" کے سوا کچھ نہیں۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ	یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں چڑھی

---

[1] "فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ" (سورۃ الانعام)

(اب دونوں فریقوں میں کون مستحق ہے دلجمعی کا) (ترجمہ شیخ الہند)

[2] وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ (سورۂ اعراف)

"مگر وہ تو ہو رہا زمین کا اور پیچھے ہو لیا اپنی خواہشوں کے۔" (ترجمہ شیخ الہند)

[3] اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (ملک ۲۲)
(بھلا ایک جو چلے اوندھا اپنے منہ کے بل وہ سیدھی راہ پائے یا جو چلے سیدھا ایک سیدھی راہ پر)

مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ	آتی ہے اس پر ایک لہر، اس پر ایک
سَحَابٌ ۚ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ	اور لہر اور اس پر بادل، اندھیرے
بَعْضٍ ؕ (سورۂ نور)	ہیں ایک پر ایک۔

مرگئے اُس پیاسے کی موت جو سُراب کو پانی سمجھ کر دیوانہ وار دوڑتا رہا۔ حتیٰ کہ انتہائی حسرت و یاس کی حالت میں جان دے دی۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ	اور جو لوگ منکر ہیں اُن کے کام جیسے ریت
بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً	جنگل میں، پیاسا جانے اُس کو پانی یہاں
حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا	تک کہ جب پہنچا اس پر اس کو کچھ نہ پایا
وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ	اور اللہ کو پایا اپنے پاس، پھر اُس کو
حِسَابَهٗ (سورۂ نور)	پورا پہنچا دیا اُن کا لکھا۔

اور وہاں اٹھو گے اس حال میں کہ زبان پر رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی [4] کا شکوہ ہوگا۔
اور پھر رہو گے ابدالآباد تک اس حال میں کہ نہ زندوں میں ہو گے نہ مردوں میں۔

ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى۔ (سورۂ اعلیٰ)	پھر نہ مرے گا اُس میں نہ جئے گا۔

نہ عذاب کی سختی جینے ہی دے گی اور نہ موت ہی آئے گی کہ اُس سے چھٹکارا دلادے۔
لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ (سورۂ دخان) نہ چکھیں گے وہ اُس میں موت۔

دُنیا اور آخرت میں تضاد نہیں توافق ہے! غلط سمجھا جنھوں نے اِنہیں ایک دوسرے سے مختلف سمجھا۔ یہ دونوں باہم دگر پیوستہ درہم آغوش ہیں، ایک ہی "حیاتِ انسانی" کا تسلسل اِن میں جاری ہے۔ جس نے یہاں دیکھا وہی وہاں بھی دیکھے گا، جو یہاں "اَعْمٰی" رہا وہ وہاں "اَعْمٰی" ہی نہیں بلکہ اَضَلُّ سَبِيْلًا ہوگا۔

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ	اور جو کوئی رہا اس جہان میں اندھا سو
فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ	وہ پچھلے جہان میں بھی اندھا ہے اور بہت
سَبِيْلًا (سورۂ بنی اسرائیل)	دور پڑا ہوا ہے راہ سے۔

[4] اے رب کیوں اٹھا لایا تو مجھے اندھا؟ (سورۂ طٰہٰ)

اور حقائق سے جیسے یہاں محجوب رہا ویسے ہی حقیقتِ کبریٰ کے مشاہدے سے وہاں محروم رہے گا :-

کَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (سُورۃ مُطَفِّفِيْن)	کوئی نہیں ! وہ اُس دن اپنے رب سے روک دیئے جائیں گے۔

دیکھی اس حیاتِ مُستعار کی عظمت ! اور اس " اِک ذرا ہوش میں آنے " کی اہمیت تبھی تو وحیِ الٰہی بار بار پکارتی ہے :- " لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ہ "

قرآنِ حکیم بار بار پوچھتا ہے :-

هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ (سُورۃ الانعام)	کب برابر ہو سکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا۔
هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (سُورۃ زُمر)	کوئی برابر ہوتے ہیں سمجھ والے، اور بے سمجھ -!!

حقیقت یہ ہے کہ اصل فرق 'علم' اور 'جہل' ہی کا تو ہے۔ بالکل صحیح کہا تھا جس نے کہا تھا : " علم نیکی ہے اور جہالت بدی " انسانوں کے اس جمِ غفیر پر نگاہ ڈالو جو زمین میں بس رہا ہے اور دیدۂ بینا کو وا کرو۔ یہ ساری جہل ہی کی تو بساط بچھی ہوئی ہے ! کون سے تعجب کی بات ہے اگر پیدائش سے موت تک کے وقفے ہی کو 'زندگی' سمجھنے والے انسان نما حیوانوں کا یہ ہجوم چھوٹی چھوٹی چیزوں پر لڑے اور کٹ مرے، ایک دوسرے پر جھپٹے اور غرّائے۔ بالکل ٹھیک دیکھا تھا اُس صاحبِ چشمِ حقیقت بیں نے جس نے انسانوں کی بستی میں بجائے انسانوں کے کتوں، بھیڑیوں اور سُوروں کو چلتے پھرتے دیکھا تھا۔ ! اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا کے جہلِ مرکّب کے بطن سے حرص و للچ، حسد و بغض، غیض و غضب، دشمنی و عداوت کے سوا اور کیا جنم پا سکتا ہے ؟ یہ چھوٹی مسرتوں اور آسودگیوں کی تلاش میں سرگرداں حقیر سی آرزوؤں اور تمناؤں کے پھندوں میں گرفتار اور طولِ امل کے سراب پر دم توڑتے ہوئے انسان اسی تصورِ حیات کا شاہکار تو ہیں ! خدا سوچو اس جہل نے " احسنِ تقویم " میں تخلیق پائے ہوئے انسان کو کیسے اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ بنا کر رکھ دیا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ	ہم نے بنایا آدمی خوب سے انداز سے پر، پھر پھینک دیا اُس کو نیچوں سے

سَافِلِیْنَ ۝ (سُورۃ وَالتّین) نیچے۔!!

یہ کیسی چھوٹی چھوٹی اور حقیر سی چیزوں کو پاکر خوش ہی نہیں ہوجاتا اترانے لگتا ہے اور اکڑ کر چلنا شروع کر دیتا ہے اور کتنی چھوٹی تکالیف اور محرومیوں پر حسرت و یاس کی تصویر بن جاتا ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ	اور جب ہم آرام بھیجیں انسان پر تو
اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِہٖ وَاِذَا مَسَّہُ	ٹال جائے اور بچائے پہلو اور جب پہنچے
الشَّرُّ کَانَ یَئُوْسًا (سورۃ بنی اسرائیل)	اُس کو بُرائی تو رہ جائے مایوس ہوکر۔

'جہل' کے یہ سارے شاہکار' تمہاری نگاہوں کے سامنے ہیں اور اُن کا مشاہدہ تم بچشمِ سر کر سکتے ہو لیکن 'علم' کے 'پیکر' کو دیکھنے کے لیے تمہیں اپنی چشمِ تصوّر کو وا کرنا ہوگا۔ ذرا اندازہ تو کرو اس ذہن کی وسعت کا جو حیاتِ دنیوی کو بس ایک سفر کا درجہ دے، جس کی منزل موت کی سرحد سے آگے بہت آگے ہو ع۔

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مُسلماں کی!

"کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْعَابِرُ سَبِیْلٍ"[1] جو یہاں کی چھوٹی مسرتوں اور حقیری لذّتوں پر "مَالِیْ وَلِلدُّنْیَا"[2] کی نگاہِ غلط انداز ڈالتا ہوا حیاتِ اخروی کی اِن معنوی اور حقیقی نعمتوں پر نگاہ جمائے بڑھا چلا جائے "ما لا عینٌ رأت ولا اُذنٌ سمعت وما خطر علیٰ قلب بشرٍ"[3] یہی تو ہیں حقیقت کے شناسا، قلبِ زندہ اور دیدۂ بینا کے مالک، روحِ حیات سے ہم آغوش اور حقیقت کے جمالِ جہاں تاب کے پرستار، یہ جیتے ہیں تو "حق" کا نشان بن کر اور مرتے ہیں تو حقیقت کی نشان دہی کرتے ہوئے۔ ع

---

[1] حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: "رہو دنیا میں ایسے کہ گویا تم اجنبی ہو یا مسافر!"

[2] حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: "مالی و للدنیا؟ ما انا فی الدنیا الّا کراکب استظل تحت شجرۃٍ ثمّ راح وترکھا" (مجھے دُنیا سے کیا سروکار! دنیا میں میرا حال تو اس سوار سے زیادہ نہیں ہے جو ایک درخت کے سائے میں ذرا دم لے، پھر اُسے چھوڑ کر چل دے)

[3] حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سُنا اور نہ اُن کا اِدراک کسی انسان کے قلب کو حاصل ہُوا۔

جب وقتِ شہادت آتا ہے دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں!

زندگی میں انہیں "احدی الحسنیین"[1] کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اور موت ان کیلئے حیاتِ جاوید کا پیغام لے کر آتی ہے: "بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ"[2]

یہ ہے کرشمہ اس حقیقت کے علم کا کہ حیاتِ انسانی ابدی ہے۔ درختوں کو پھول سے پہچاننے والو! کوئی اندازہ کر سکتے ہو اس شجرِ حیات کی عظمت کا جس کا تصور ذہن کی اس وسعتِ نگاہ کی اُس بلندی اور کردار کی اُس پختگی کے برگ و بار لاتا ہے: اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَاءِ"[3]

اور ابھی یہ تو ایک ہی رُخ ہے۔ "عظمتِ حیات" کی تصویر کا دوسرا رخ ابھی باقی ہے۔ ابدیت کے رخ کے "جاننے" والے چاہے کم ہوں۔ اُس کے "ماننے" والے بہت ہیں۔ لیکن تصویر کے اس دوسرے رخ کو تو شاذ ہی کسی نے دیکھا ہے۔

وحیِ الٰہی نے جہاں "حیات بعد الممات" کے حقائق کو اُجاگر کیا ہے، وہاں حیات قبل الولادت" کی حقیقت کو بھی بالکل مخفی نہیں رکھا۔ اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ اس کا اظہار "بطرزِ خفی" کیا ہے! لیکن اس کا سبب بالکل معقول اور ادنیٰ تأمل معلوم ہو جانے والا ہے۔ کتابِ الٰہی "هُدًى لِّلنَّاسِ"[4] ہے اور اس نے انسانوں کے مختلف طبقات اور گروہوں کی ضرورت کو گہری حکمت کے ساتھ پیش نظر رکھا ہے۔ "حیات بعد الممات" کا علم انسانوں کی ایک عظیم اکثریت کی "حیاتِ دُنیوی" کی عملی اصلاح کے لیے ناگزیر تھا۔ لہٰذا اس کے حقائق انتہائی جلی انداز میں روزِ روشن کی طرح کتاب کے ہر ورق پر نمایاں کر دیئے گئے۔ جبکہ حیات قبل الولادت کا علم صرف علم کی گہری پیاس رکھنے والے ذہنوں کی آسودگی کے لیے ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ "ذہنِ رسا" کے لیے "حقیقتِ خفی" کا ادراک کیا مشکل ہے۔

---

[1] قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ (سورۂ توبہ) (تو کہہ دے تم کیا اُمید کرو گے ہمارے حق میں مگر دو خوبیوں میں سے ایک کی) (ترجمہ شیخ الہند)

[2] (بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے) (سورۂ آلِ عمران)

[3] (اُس کی جڑ مضبوط ہے اور ٹہنے ہیں آسمان میں) (سورۂ ابراہیم)

[4] ہدایت ہے واسطے لوگوں کے (سورۂ بقرہ)

یہی وجہ ہے کہ تصویرِ حیات کے اس رُخ کی بس کوئی جھلک ہی کہیں کہیں دکھائی گئی ہے! وحیِ الٰہی نے حیاتِ دنیوی سے قبل کی ہماری کیفیت کو "اَمْوَاتًا" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ کیسا صاحبِ عظمت اور کتنا حاملِ حکمت کلام ہے

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ	کس طرح کافر ہوتے ہو اللہ تعالیٰ
اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ	سے حالانکہ تم بے جان تھے، پھر جلایا
ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ	تم کو، پھر مارے گا تم کو، پھر اسی کی طرف
تُرْجَعُوْنَ ۝ (سُوْرَۃُ بقرہ)	لوٹائے جاؤ گے۔

"اَمْوَاتًا" کے لفظ کی تفسیر جس کسی نے نُطْفًا فِي الْاَصْلَابِ[1] کے الفاظ بڑھا کر کی اس نے تو خیر پھر بھی کم از کم ایک خالص حیاتیاتی حقیقت کی طرف تو اشارہ کر دیا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس نے اُسے "معدوم" کے ہم معنی قرار دیا اس نے وحیِ الٰہی پر طبع آزمائی کرنے کی جرأت کی ہے۔

ذرا غور کرو، حیاتِ انسانی کا یہ دَور جسے ہم 'حیاتِ دنیوی' کہتے ہیں، دو موتوں کے درمیان واقع ہوا ہے۔ ایک اس سے پہلے اور دوسری اس کے بعد۔ تو ہے کوئی جو بعد والی موت کو عدم سے تعبیر کرے؟ پھر کیسا ستم ہے کہ پہلی موت کو عدم کہنے والے چاہے کم ہوں سمجھنے والے اکثر و بیشتر ہیں! واقعہ یہ ہے کہ نہ وہ موت معدوم ہونے کا نام ہے نہ یہ کیفیتِ عدم کا اظہار، نہ اِس پر زندگی ختم ہوگی نہ اس سے اس کی ابتدا ہوئی۔ بلکہ جیسے بعد والی موت بجائے خود زندگی ہی کا ایک وقفہ ہوگی۔ اسی طرح قبل والی موت بھی زندگی ہی کا ایک دَور تھی۔

اور جس طرح آنے والی موت کے بعد حیاتِ اُخروی کو شروع ہونا ہے بالکل اسی طرح گزشتہ موت سے قبل بھی ایک زندگی تھی جس کا سب سے بڑا واقعہ وہ عہدِ الست ہے، جس کی خبر وحیِ الٰہی نے دی اور جس کی یاد فطرتِ انسانی کی گہرائیوں میں محفوظ ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ	اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کی
مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ	پیٹھوں سے اُن کی اولاد کو اور اقرار

---

[1] آباء و اجداد کی پیٹھوں میں بشکلِ نطفہ (تفسیر جلالین)

عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ	کرایا ان سے ان کی جانوں پر۔ کیا میں
قَالُوْا بَلٰی شَھِدْنَا۔ (سورۃ اعراف)	نہیں تمہارا رب؟ بولے ہاں ہے ہم
	اقرار کرتے ہیں۔

تو کون کہہ سکتا ہے کہ جب یہ میثاق لیا گیا اس وقت عہد کرنے والوں کو اپنی ہستی کا شعور نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو کیا اس عہد و میثاق کی کوئی حیثیت اور اہمیت ہو سکتی تھی جو کلامِ الٰہی کے سلسلۂ استدلال کی ایک اہم کڑی ہے! یقیناً وہاں ہر انسان نے اپنی ہستی اور تشخص کے شعور کے ساتھ عہد باندھا تھا۔ تو پھر "حیات" کیا کسی اور چیز کا نام ہے؟

اِس حیاتِ اوّلیں کے اثبات پر قرآنِ حکیم کی وہ آیۂ کریمہ دلیلِ قطعی ہے جس میں اہلِ جہنّم کی فریاد ان الفاظ میں نقل کی گئی ہے کہ:

رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا	اے رب ہمارے تو موت دے چکا ہم
اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا	کو دو بار اور زندگی دے چکا ہم کو دو بار۔
فَھَلْ اِلٰی خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ	اب ہم قائل ہوئے اپنے گناہوں کے پھر اب
(سورۃ غافر)	بھی ہے نکلنے کو کوئی راہ۔

ذرا 'وُجود' اور 'ہستی' کے اس تسلسل پر غور کرو، جو اس آیۂ مبارکہ کے جامِ حقیقت نما سے چھلکا پڑ رہا ہے ؎

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کیلئے　　　اک ذرا چھیڑ تو دے زخمۂ مضرابِ حیات

ہم پورے شعورِ حیات کے ساتھ موجود تھے، پھر ہم پر "اماتۃ اولیٰ" کا عمل ہوا۔ اور ہم ایک طویل عرصے کے لیے 'پہلی موت' کی گود میں سو گئے۔ پھر "اِحیائے اُولیٰ" ہوا اور ہم حیاتِ دُنیوی کی "بساطِ ہوائے دل" پر 'وارد' ہو گئے۔ پھر "اماتۃ ثانیہ" ہوگی اور ہم پھر اک بار موت کی نیند سو جائیں گے اور پھر "اِحیاءِ ثانی" کا صُور پھونکا جائے گا اور ہم 'زندۂ جاوید' ہو جائیں گے۔

ذرا ٹھہرو!

حیات کی عظمت کے ساتھ ساتھ موت کی حقیقت بھی دیکھ لو۔ یہ زندگی کا ایک 'وقفہ' ہی نہیں، سلسلۂ حیات کی ایک کڑی اور زندگی ہی کی ایک شکل ہے، بالکل نیند سے مشابہ، اب ذرا تلاوت کرو آیۂ کریمہ:

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا
(سورۂ زمر)

اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو اُن کے مرنے کا اور جو نہیں مرے ان کو کھینچ لیتا ہے اُن کی نیند میں۔

اور گوشِ حقیقت نیوش سے سُنو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے الفاظ:۔

وَاللّٰہِ لَتَمُوْتُنَّ کَمَا تَنَامُوْنَ ثُمَّ لَتُبْعَثُنَّ کَمَا تَسْتَیْقِظُوْنَ۔
(حدیث)

خُدا کی قسم تم لازمًا مر جاؤ گے جیسے تم سو جاتے ہو۔ پھر یقینًا اُٹھائے جاؤ گے جیسے تم نیند سے بیدار ہوتے ہو۔

اور یاد کرو آپؐ کی وہ دُعا جو آپؐ کی ہر صبح کا معمول تھی:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانِیْ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِیْ وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ
(حدیث)

تعریف ہے اللہ کی جس نے مجھے زندگی عطا فرمائی، اس کے بعد کہ مجھ پر موت طاری فرما دی تھی۔

شاید حقیقت کی کوئی جھلک دیکھ لو!

اللہ اکبر! کیا "ظلماتٌ بَعْضُھَا فَوْقَ بَعْضٍ" کا گھُپ اندھیرا طاری ہے اِن ذہنوں پر جو موت اور زندگی کو عدم اور وجود کے ہم معنی سمجھ بیٹھے ہیں!

حقائق کے اس طرح درجہ بدرجہ اور "طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ" انکشاف کے بعد اب ذرا محسوسات کی دنیا سے "لب بہ بند و چشم بند و گوش بند!" ہو کر وجدان کی لامتناہی فضا میں چشمِ تخیّل کو وا کرو اور "تسلسلِ حیاتِ انسانی" کا مشاہدہ کرنے کی کوشش کرو۔ اگر کر لیا تو ایک عجیب سا کیف محسوس کرو گے اور سُرور و مستی سے ہم کنار ہو گے اور کیا عجب کہ تمہارے مُنہ سے نکل جائے:۔ سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ[1]!

تو یہی حقیقت کا ادراک ہے! ع لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

---

[1] حضرت بایزید بُسطامیؒ کا مشہور قول۔